جناب مولانا ارشاد الحق صاحب

قسط نمبر ۱۲

احسن الکلام

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک جہری نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا، کیا تم میں سے ابھی کسی نے میرے ساتھ قرأت کی ہے؟ تو ایک نے جواب دیا، جی ہاں، آپ نے فرمایا، جبھی تو میں دل میں کہہ رہا تھا کہ میرے ساتھ قرآن کریم کی قرأت میں منازعت اور ہاتھا پائی کیوں ہو رہی ہے؟ اس ارشاد کے بعد جن نمازوں میں آپ جہر سے قرأت کرتے تھے، لوگوں نے آپ کے پیچھے قرأت ترک کر دی تھی۔

(احسن الکلام، ص ۲۲۴، ج ۱)

مولانا صفدر صاحب اس روایت سے درج ذیل امور پر استدلال کرتے ہیں:

۱۔ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کی ممانعت میں یہ روایت قطعی ہے۔

۲۔ امام ابوبکر رازی فرماتے ہیں کہ یہ روایت جہر اور سر دونوں پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہر اور سر کا کوئی فرق نہیں کیا۔ ہاں البتہ راوی نے اس کی یہ تاویل کی اور وہ یہ سمجھے کہ یہ جہر سے متعلق ہے (ص ۲۲۵)

۳۔ یہ جملہ سرے سے نہ ہو تو بھی یہ حدیث جمہور کی دلیل ہے کیونکہ آپ کے پیچھے قرأت کرنے والا ایک ہی شخص تھا اور اس کو بھی آپ نے گوارا نہ فرمایا۔ آپ نے نماز سے فارغ ہو کر فوراً سوال کیا، اس شخص کے اقرار کرنے کے بعد مالی انازع القرآن کے جملہ سے اس کی قرأت کو ناپسند کرتے ہوئے تنبیہ فرمائی" (ص ۲۳۰)

مجموعی حیثیت سے یہ وہ تین امور ہیں جن پر مولانا صاحب کے استدلال کی بنیاد ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ ان میں کوئی بات ایسی نہیں کہ جس کا جواب تحقیق الکلام اور خیر الکلام میں موجود نہ ہو۔ قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ ان نگارشات کو سامنے رکھ کر تولنے کی زحمت ضرور گوارا فرمائیں اور خود ہی اندازہ فرمالیں کہ مولانا صفدر صاحب نے کون سا نیا تیر مارا ہے، جس پر وہ اپنی فتح مندی کے شادیانے بجا رہے ہیں۔ ان امور کے جواب میں اس تمام تفصیل جو ان کتابوں میں درج ہے، کا اعادہ تو تحصیل حاصل ہے البتہ بعض امور تنقیح طلب ہیں اور ساتھ ہی بعض حقیقتیں ایسی ہیں جنہیں مولانا صفدر صاحب نے روایتی انداز میں چھپانے کی کوشش کی، اس لئے بقدر ضرورت ہم اس کی وضاحت ضروری خیال کرتے ہیں۔

۱۔ مولانا صاحب کا یہ فرمانا کہ یہ روایت جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت کی ممانعت کے لئے قطعی ہے جبکہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "فانتھی الناس عن . . القراءۃ" ملخصاً۔

عرض ہے کہ "فانتھی الناس" کا جملہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کا قول ہے یا امام زہری کا؟ ——— ہم اس بحث میں پڑنا مناسب خیال نہیں کرتے جبکہ اس کی تفصیل تحقیق الکلام اور خیر الکلام، دونوں کتابوں میں موجود ہے۔ تاہم ناظرین کرام سے مختصراً گذارش ہے کہ محدثین کرام (جنہوں نے "مدرج" کی اصطلاح مقرر کی اور اس کے لئے اصول و ضوابط بیان کئے) میں سے امام بخاریؒ، امام محمدؒ بن یحیٰی الذہلی جنہوں نے امام زہری کی مرویات پر مستقل "کتاب العلل" لکھی ہے، امام ابو داود، امام بیہقیؒ، خطیب بغدادیؒ، امام ترمذیؒ، امام ابن حبانؒ، امام یعقوبؒ بن سفیان، امام خطابیؒ اور علامہ ابن حجرؒ ایسے کبار ائمہ فن نے لکھا ہے کہ یہ جملہ زہری کا مدرج ہے۔ مولانا صفدر صاحب کو غالباً امام بیہقیؒ سے خدا واسطے کا بیر ہے کہ تنہا انہیں مخاطب کرتے ہوئے "اصول شکنی" کا طعن دیتے ہیں (ص ۲۲۹)

تعجب ہے کہ مولانا صاحب حافظ ابن حجرؒ سے یہ تو نقل کرتے ہیں کہ ادراج محض احتمال سے ثابت نہیں ہوتا (ص ۲۲۷) لیکن ان کے قول کہ "یہ زہری کا مدرج ہے جیسا کہ انہوں نے تلخیص الحبیر ص ۸۷ میں صراحت کی ہے" سے متفق نہیں۔ کیا مولانا صفدر صاحب کے نہاں خانہ ساز حقائق ان کی نظر سے اوجھل تھے؟ اسی ضمن میں ان سے یہ بھی درخواست کرتے ہیں کہ خدارا ائمہ

محدثین میں سے کسی ایک کا نام بتلائیے جس نے اسے حضرت ابوہریرۃ رضؓ کا قول کہا ہو، ورنہ پھر جانے دیجئے، جنہوں نے خود اصول مقرر کئے وہ ادراج کی حقیقت کو آپ سے بہر حال بہتر سمجھتے تھے اور اس جملہ کی حیثیت کو بھی ——— ہم دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ مولانا صفدر صاحب اپنی ہمنوائی میں کسی محدث کا نام پیش نہیں کر سکتے۔ محدثین کرام تو ایک طرف اس مسئلہ میں ان کے "محقق نیموی" بھی ان سے متفق نہیں۔ "آثار السنن" جس کا کل اثاثہ مسلک کی کورانہ حمایت ہے، اس میں انہوں نے یہ روایت بطریق ابن ماجہ "مالی انازع القرآن" تک نقل کی ہے اور "تعلیق التعلیق" میں لکھتے ہیں کہ مؤطا امام مالک وغیرہ میں "فانتھی الناس الخ کے الفاظ زائد ہیں لیکن

"قلت ان جمعا من الحفاظ قد اتفقوا علی ان ھذہ الزیادۃ مدرجۃ من کلام الزھری" (آثار السنن، ص ۸۸)

یعنی محدثین کی جماعت اس بات پر متفق ہے کہ ——— فانتھی الناس عن القراءۃ ——— کے الفاظ زہری کے مدرج ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے اس دعویٰ پر امام بخاریؒ، امام ابوداؤدؒ اور امام ترمذیؒ کے کلام کو پیش کرتے ہوئے اس سے اتفاق کا اظہار کیا ہے۔ اب اس سے بڑھ کر ہم مولانا صفدر صاحب کی اور کیا تسلی کر سکتے ہیں، مولانا صاحب کی تعلّی ملاحظہ فرمائیں کہ:

"امام زہریؒ کے "فانتھی الناس الخ" کے مضمون کے سمجھنے میں فریق ثانی کو غلطی واقع ہوئی ہے" الخ (ص ۲۳)

کیا ہم ان سے دریافت کر سکتے ہیں کہ "فریق ثانی" کون ہے؟

بدقسمتی سے انہوں نے اپنا مخاطب صرف محدث مبارک پوری کو سمجھ رکھا ہے۔ ورنہ انہیں یاد رہے کہ ان کے 'فریق' امام بخاری، امام ذہلی، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام محمد بن یحییٰ بن فارس، امام بیہقی، خطیب بغدادی، امام ابن حبان، امام یعقوب بن سفیان، علامہ خطابی، حافظ ابن حجر رحمہم اللہ ہیں۔ بلکہ آپ کے محقق نیموی بھی انہی میں شامل ہیں۔ آپ یہ "غلط فہمی" کا طعن آخر کس کس پر رکھیں گے؟ اور پھر اس سلسلہ میں حاشیہ پر جو کلام کیا ہے، اس کا بطلان بالکل ظاہر ہے جب کہ ابوالزبیر کی روایت دیگر

طرق سے مرفوع ثابت ہے اور باقی روایات میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کی صراحت بھی موجود ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سن نہ سکا، ساتھی سے پوچھا تو اس نے تبلا دیا، بھلا اس کے رفع میں کیونکر شک ہو سکتا ہے۔ اس کے برعکس — فانتہی الناس — کا معاملہ یہ ہے کہ اولاً زہری کے تلامذہ میں اختلاف ہے۔ ابن السرح کے بیان کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کا معنی بھی یہ ہے کہ زہری نے کہا، ابو ہریرہؓ یہ کہتے ہیں" جس کا مطلب واضح ہے کہ زہری نے یہ جملہ پہلی سند کے ساتھ ذکر نہیں کیا، ورنہ "قال ابوہریرۃ" کے کیا معنی؟ وللتفصیل موضع آخر!

اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کا قول ہے تو اولاً یہ اس لئے حجت نہیں کہ صحابہ کرام اس مسئلہ میں مختلف فیہ تھے۔ ایسی صورت میں ان کے عمل سے استدلال صحیح نہیں۔ جیسا کہ نورالانوار، توضیح وغیرہ کتب میں مذکور ہے۔ ثانیاً فاتحہ پڑھنے کا حکم صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ اس لئے بھی صحابہ کا عمل قابل استدلال نہیں ہو سکتا مولانا عبدالحی فرماتے ہیں:

"ومن المعلوم ان الاحادیث المرفوعۃ دالۃ علی اجازۃ قراۃ الفاتحۃ خلف الائمۃ فکیف یؤخذ بالآثار وتترک السنۃ" (امام الکلام)

یعنی مرفوع احادیث سے امام کے پیچھے قرأت کی اجازت ثابت ہے لہٰذا سنت کو ترک کرتے ہوئے آثار صحابہ کو کیسے اپنایا جا سکتا ہے۔ علامہ ماردینی حنفی، حدیث — فلم نزل قیاما ننتظر حتی خرج — کے متعلق فرماتے ہیں:

"فان قیل ففی سنن ابی داؤد انہم لم یزالوا قیاما ینتظرون انہ قلنا فعل القوم لا یعارض قولہ صلی اللہ علیہ وسلم" (الجوہر النقی ص ۳۹۹، ج۲)

غور فرمائیں، یہاں بھی صحابی یہی بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جنابت کا علم ہوا تو آپ غسل کے لئے تشریف لے گئے اور ہم آپ کے انتظار میں کھڑے رہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ امام کی نماز ٹوٹ جانے سے مقتدی کی نماز باطل نہیں ہوتی جیسا کہ امام شافعی، امام مالک اور سفیان ثوری رحمہم اللہ کا مسلک ہے۔ لیکن علامہ ماردینی اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ "صحابہ کا یہ عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا معارضہ نہیں کر سکتا" اسی طرح ہم بھی

یہاں یہی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فاتحہ خلف الامام پڑھنے کا حکم ثابت ہے لہٰذا محض صحابہ کے چھوڑ دینے سے قرأت کی ممانعت کیوں کر ثابت ہو سکتی ہے جیسا کہ مولانا عبدالحی صاحب سے ہم ابھی نقل کر آئے ہیں۔

یہی نہیں حضرت ابوہریرۃؓ جو اس روایت کے راوی اور بقول مولانا صفدر صاحب فانتهى الناس عن القرأة الخ کے قائل ہیں، وہی جہری نمازوں میں سکتاتِ امام میں قرأت کے قائل ہیں۔ جس کی تفصیل سکتات کی بحث میں آ رہی ہے۔ اسی ضمن میں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ حضرت ابوہریرۃؓ ۷ھ میں مسلمان ہوئے جبکہ اس سے قبل آیت "اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا" نازل ہو چکی تھی۔ جس کے متعلق مولانا صفدر صاحب کا مؤقف یہ ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صحابہ کرام نے قرأت چھوڑ دی تھی۔ لیکن اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے جہری نماز میں قرأت اس واقعہ کے بعد ترک کی تھی۔ تو کیا یہ واضح قرینہ نہیں کہ آیت انصات و استماع منع قرأت پر قطعاً دلالت نہیں کرتی؟

اسی ضمن میں مولانا صفدر صاحب سے یہ التماس ہے کہ جب ان کے نزدیک یہ روایت "جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کی ممانعت میں قطعی ہے" (ص ۲۲۴) تو پھر سری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرنے کے لئے یہ روایت قطعی نص کیوں نہیں؟ چنانچہ ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں:

"فانتهى الناس عن القرأة فيما جهر بالقرأة مفهومه انهم كانوا يسرون بالقرأة فيما كان يخفى فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم" (مرقاة ص ۳۰۲، ج ۲)
کہ "فانتهى الناس عن القرأة فيما جهر بالقرأة" سے مفہوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام سری نمازوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کیا کرتے تھے۔
اس کے بعد فرماتے ہیں:
"وهو مذهب الاكثر وعليه الامام محمد من ائمتنا"
کہ اکثر صحابہ و اہل علم کا یہی مذہب ہے اور ہمارے ائمہ میں سے امام محمد کا بھی یہی فتویٰ ہے۔"

بلکہ اس کی صراحت بعض روایات سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ امام بخاری اسی سند سے اسی روایت کے آخر میں یہ الفاظ زاید لائے ہیں :

"قال فانتهی الناس عن القرأة فیما جهر فیه الامام وقرؤا فی انفسهم سرأ فیما لا یجهر فیه الامام" (جزء القرأة ص ۱۳)

کہ "لوگ جب امام جہری قرأت کرتا تو اس حالت میں خاموش رہتے اور جب آہستہ پڑھتا تو وہ بھی قرأت کرتے"

تو کیا وجہ ہے کہ اس "قطعی" روایت کی بنا پر یہ کیوں نہیں کہا جاتا کہ تمام صحابہ کرام سری میں قرأت کے قائل تھے ؟ اور کیا مولانا صفدر صاحب سری میں قرأت کے جواز کا فتویٰ صادر فرمانے کے لئے تیار ہیں ؟

۲ - مولانا صفدر صاحب کا اسی بحث میں امام ابوبکر رازی کا قول نقل کر کے خاموش گذر جانا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ان سے متفق ہیں۔ لیکن ہماری سابقہ گذارشات سے اس بات کی حقیقت کھل جاتی ہے کہ خود روایت میں تصریح موجود ہے کہ سری میں امام کے پیچھے صحابہ قرأت کیا کرتے تھے۔ مگر اس کے باوجود اگر بات پھر بھی وہی ہے جو امام رازی نے کہی ہے کہ راوی نے یہ سمجھ لیا ہے کہ یہ "جہر سے متعلق ہے" تو سرے سے یہ کہنے سے کونسی بات مانع ہے کہ راوی کا یہ خیال کہ "لوگوں نے قرأت ترک کر دی تھی" محض خوش فہمی بلکہ غلط فہمی پر مبنی ہے۔ جبکہ سری میں حضرت ابوہریرۃ ؓ سے خلف امام پڑھنا مولانا صفدر صاحب کے ہاں بھی مسلم ہے۔ (ص ۳۱۴، ۳۱۵، ج ۱) اور جہری میں بھی ان کا یہی مسلک ہے کہ مقتدی سکتات امام میں قرأت کرے جس کی تفصیل آئندہ آرہی ہے۔ ان شاء اللہ !

۳ - رہی یہ بات کہ اگر یہ جملہ نہ ہو تو بھی یہ حدیث جمہور کی دلیل ہے الخ بالکل غلط اور طفل تسلی ہے جبکہ منازعت ہمیشہ اسی صورت پیدا ہوتی ہے جب با آواز بلند پڑھا جائے جیسا کہ حافظ ابن عبد البر، علامہ قرطبی، امام خطابی، علامہ شوکانی اور مولانا عبد الحی وغیرہ نے صراحت کی ہے۔ علامہ محمد طاہر فرماتے ہیں :

" ومنه مالی انازع القرآن ای اجاذب فی قرأته کانهم جهروا بالقرأة خلفه فشغلوه ینازعنی القرآن ای لایتاتی لی وکانی اجاذبه فیعصی ویثقل علی لکثرة

اصوات المأمومین" (مجمع البحار ص۳۴۷، ج ۳)

رہی یہ بات کہ آہستہ پڑھنے سے بھی منازعت ہوتی ہے جیسا کہ مولانا صفدر صاحب کا خیال ہے تو اس کا جواب دیتے ہوئے مولانا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں۔

"ومن الناس من توہم ان معنی المنازعۃ ھو ان یقرء المؤتم حال قرأۃ الامام وھو متحقق فی السریۃ ایضا مطلقا وھو مبنی علی الغفلۃ عن کتب اللغۃ و شروح الحدیث للائمۃ" (غیث الغمام حاشیۃ امام الکلام)

یعنی بعض کو یہ وہم لاحق ہے کہ منازعت کے معنیٰ یہ ہیں کہ امام کی قرأت کی حالت میں مقتدی بھی قرأت کرے اور امام کو پڑھنے نہ دے۔ ایسا سری میں بھی ہوتا ہے۔ سو یہ ان لوگوں کا وہم کتبِ لغت اور ائمہ کی تشریحات سے غفلت کا نتیجہ ہے۔

بنا بریں یہ کہنا کہ منازعت سری میں بھی ہو جاتی ہے، سراسر غفلت اور نادانی ہے نیز کتبِ لغت اور ائمہ شارحین کے اقوال سے ناواقفیت کی دلیل۔

ملحوظِ خاطر رہے کہ "استماع و انصات" کے معنی پر بحث کرتے ہوئے حضرت الاستاذ محدث گوندلوی مدظلہ العالی نے لکھا ہے کہ:

"ہمارے لئے اس قدر کافی ہے کہ ہم ثابت کر دیں کہ قرآن مجید کی آیت زیر بحث میں جو استماع و انصات آیا ہے اس سے بالکل خاموشی مراد نہیں!" (خیر الکلام صفحہ ۳۰۷)

جبکہ انہوں نے اس دعویٰ کو دلائل سے ثابت کیا ہے، مولانا صفدر صاحب کے لئے اس سے بچ نکلنا مشکل تھا تو لغت کا سہارا لیتے ہوئے یوں پنجہ جھاڑ کر ان کے پیچھے پڑ گئے کہ:

"یقین جانیئے کہ اس سے مکمل خاموشی مراد ہے۔ ائمہ لغت اور جمہور مفسرین کی روشن عبارات اسکا بیّن ثبوت ہیں جن کے حوالے گذر چکے ہیں۔ چونکہ لغت ہی ایک ایسا فن ہے جو بلا کسی فریق کے لحاظ کے بتاتا ہے، اس لئے مؤلف خیر الکلام لغت سے اپنی تائید پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں" (احسن الکلام، ج ۱ ص ۱۶۴)

مولانا صفدر صاحب نے یہاں کیا غلط مبحث کیا ہے، یہ بحث بے محل ہو گی، البتہ ہماری بھی ان کی خدمت عالیہ میں یہی درخواست ہے کہ ائمہ لغت و جمہور مفسرین و شارحین حدیث کی مصرح

عبارتوں سے گلو خلاصی نہ کرائیں بلکہ ائمۂ لغت سے ثابت کریں کہ منازعت آہستہ پڑھنے اور بولنے سے بھی واقع ہو جاتی ہے۔ ہم دعوی سے کہتے ہیں کہ وہ یہ ثابت نہیں کر سکتے —— ولو کان بعضہم لبعض ظہیر!

جب مولانا صفدر صاحب کتب لغت اور ائمہ شارحین سے یہ ثابت نہ کر سکے کہ منازعت آہستہ پڑھنے سے بھی واقع ہوتی ہے تو اپنے تجدد کی کرشمہ سازیاں اور نکتہ آفرینیاں یوں بکھیرنے لگے کہ:

"آپ نے ھل قرأ ارشاد فرمایا ہے ھل جھر نہیں فرمایا جس سے سورۂ فاتحہ کی قرأت ہر طرح سے ممنوع ہو گی۔ اس لئے ھل قرأ کو جہر پر محمول کرنا جیسا امام بیہقی نے کیا ہے، یقیناً باطل و مردود ہے" (حاشیہ ص ۲۳۰)

حالانکہ لغت عرب کا معمولی طالب علم بھی سمجھتا ہے کہ قرأ کا اطلاق جہر و سر دونوں پر ہوتا ہے اور امام بیہقیؒ وغیرہ نے اگر اسے جہر پر محمول کیا ہے تو اس کی دلیل "منازعت" ہے جبکہ یہ صورت اسی وقت متحقق ہوتی ہے جب بلند آواز سے پڑھا جائے جیسا کہ ائمۂ لغت اور شارحین کرام نے صراحت کی ہے۔ اس لئے قرأ کو جہر پر محمول کرنے میں امام بیہقیؒ وغیرہ حق بجانب ہیں۔ مولانا صاحب نے اگر اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لی ہے تو اس میں امام بیہقیؒ کا کیا جرم؟ انہیں اپنی کور چشم کا تدارک کرنا چاہیئے۔

مزید یہ کہ حدیث کے الفاظ ھل قرأ میں ھل طلب تصدیق کے لئے نہیں بلکہ تقریر کے لئے ہے جبکہ جزء القرأۃ ص۱۳ میں "من قرأ معی" کے الفاظ ہیں اور یہ طے شدہ قاعدہ ہے کہ من سے اس وقت سوال ہوتا ہے جبکہ اس کا مدخول سائل کو معلوم ہو، مگر اس کے فاعل میں تردد ہو کہ کون ہے۔ بنا بریں آپؐ کا "من قرأ معی منکم" فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ آپؐ کے پیچھے قرأت بالجہر ہوئی تھی۔ یہ قرینہ بھی اس بات پر دال ہے کہ امام بیہقیؒ ھل قرأ کو جہر پر محمول کرنے میں حق بجانب ہیں۔ لیکن افسوس اس کے باوجود اصول شکنی اور عدم فہم کا الزام بھی امام بیہقیؒ پر، چہ بوالعجبی است!

اس کے بعد مولانا صاحب ایک اعتراض —— کہ اگر پڑھنے والے نے آہستہ قرأت کی تو آپؐ کو اس کا علم کیسے ہوا؟ —— کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"نماز میں آپ کی طبیعت لطیف تر ہو جاتی تھی۔ جبکہ حدیث میں آتا ہے کہ آپ مقتدیوں کے رکوع و سجود کو ملاحظہ کر لیتے تھے۔ اور ایک موقعہ پر آپؐ نے فرمایا کہ ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو اچھی طرح وضو نہیں کرتے جس کی وجہ سے ہم پر قرآن کی قرأت ملتبس ہو جاتی ہے (نسائی) حافظ ابن کثیرؒ نے اسی مضمون کی ایک اور روایت کے متعلق لکھا ہے "اسناد حسن ومتن حسن"۔۔۔ لہٰذا مقتدی کی قرأت سے آپؐ کا متاثر ہونا بعید نہ تھا۔"

ہمیں افسوس ہوتا ہے کہ حضرت مولانا صفدر صاحب، شیخ الحدیث ایسے بلند منصب پر فائز ہوتے ہوئے بسا اوقات بیگانہ باتیں بناتے اور مذہبی تعصب میں اپنی علم دشمنی کا ثبوت دیتے میں کبھی عار محسوس نہیں کرتے۔ اگر ایسی بے معنیٰ باتیں کسی طالب علم سے سرزد ہوتیں تو ہمیں افسوس نہ ہوتا۔ لیکن جب مولانا صاحب ایسے فاضل بزرگ سے اس کا ارتکاب ہو اور بار بار ہو تو بجز اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ مسلک کی کورانہ حمایت نے انہیں اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے جس کا کوئی اہل علم تصور بھی نہیں کر سکتا۔

احسن الکلام کا مطالعہ کرنے والے طالب علم سمجھتے ہیں کہ مؤلف اس بحث میں ائمہ لغت اور شارحین کرام سے اپنی تائید پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں کہ منازعت آہستہ بھی ہوتی ہے۔ ائمہ فن کی مصرح عبارتوں کو نظر انداز کر کے خود ساختہ معنیٰ اختیار کرنا ان کے تجدد کی دلیل ہے۔ اور ان کی یہ "سعی" قابل ستائش ہے۔

جہاں تک پہلی روایت کا تعلق ہے کہ آپ مقتدیوں کے رکوع و سجود اور خشوع کو ملاحظہ کر لیتے تھے، حدیث کا طالب علم سمجھتا ہے کہ آپ کا یوں ملاحظہ فرمانا رؤیت بصر سے تھا جیسا کہ اسی حدیث کے الفاظ ہیں:

"انی لاری من خلفی کما اری من بین یدی"

اور ایک دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "انی لاری من وراء ظهری"

کہ میں جس طرح سامنے دیکھتا ہوں، اسی طرح نماز کی حالت میں اپنے پیچھے بھی دیکھتا ہوں" اور ائمہ شارحین نے لکھا ہے کہ آپ کا یہ دیکھنا آپ کے ساتھ خاص اور بطور معجزہ تھا۔ چنانچہ شیخ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں:

" الصواب انہ محمول علی ظاهرہ وان هذا الابصار ادراك حقیقی بحاسة

العین خاص بہ صلی اللہ علیہ وسلم علی خرق العادۃ " (لمعات ص ۱۱۶، ج ۳)

لہٰذا جب یہ دیکھنا بربنائے معجزہ تھا تو کیا اس پر شرعی اور عباداتی امور کا استنباط صحیح ہے ؟ بالخصوص جب کہ معاملہ رویت کا ہے، سماع کا نہیں۔

رہی دوسری روایت تو یہ سنن نسائی کے علاوہ مسند احمد عبدالرزاق طبرانی میں بواسطہ " سفیان وشعبہ عن عبدالملک عن شبیب ابی روح عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم " کے واسطہ سے مروی ہے اور علامہ ابن کثیر اسی طریق اور اسی روایت کے متعلق فرماتے ہیں: " اسناد حسن ومتن حسن " کوئی اور روایت نہیں جیسا کہ مولانا صفدر صاحب کی عبارت سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے۔ لیکن کیا مولانا صاحب فی الواقعہ اس کی تعیین کے معترف ہیں؟ تو یقین فرمائیے کہ قطعاً نہیں۔ وہ " رجل من اصحاب النبی " کی سند کو مجہول اور ضعیف قرار دیتے ہیں جیسا کہ " مختار کل " اور " احسن الکلام " میں انہوں نے بالتفصیل بحث کی ہے اور لکھا ہے:

" خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب تک صحابی کا نام نہ بتایا جائے گا، روایت صحیح نہ ہوگی " (احسن الکلام، ج ۲، ص ۱۱۱)

لہٰذا اگر مولانا صاحب یہاں اپنے استدلال میں مخلص اور دیانتدار ہیں تو انہیں اسے معرض استدلال میں پیش کرنے سے اجتناب کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن ہم انہیں مجبور سمجھتے ہیں کہ مسلک کی حمایت نے انہیں بدحواس بنا دیا ہے۔ یا پھر سوئے حفظ کے عارضہ میں مبتلا ہیں۔ ایک بات مفید مطلب پاتے ہیں تو آنکھیں بند کرکے گذر جاتے ہیں اور بیک چشم ساری خوبیاں بھی نظر آنے لگتی ہیں۔ لیکن جب وہی بات مطلب کے خلاف نظر آتی ہے، تو اس میں انہیں برائیاں ہی برائیاں نظر آنے لگتی ہیں۔

لہٰذا جب ان کے اصولوں کے مطابق یہ روایت صحیح نہیں تو اس سے استدلال چہ معنی دارد؟ ——— چہ جائیکہ اسے لے کر لغت اور ائمہ حدیث کے مسلمہ معنیٰ سے انکار کیا جائے اور ایک خود ساختہ نیا راستہ اختیار کیا جائے؟

ہم سمجھتے ہیں کہ انہوں نے احسن الکلام لکھ کر اپنے حلقۂ اثر پر احسان عظیم فرمایا

ہے ۔ ان کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ لغت پر بھی نظرثانی فرمائیں اور نئے نئے معنی کشید کرکے ایک نئی لغت مرتب کریں تاکہ پوری امت مسلمہ پر بھی ان کا "احسانِ عظیم" رہے ۔

دراصل بات یہ ہے کہ جب یہ ٹھان لیا جائے کہ اپنے مدعا کو بہرصورت صحیح باور کرانا ہے تو اس کے لئے مصرح اقوال کو نظرانداز کرکے ہر گری پڑی بات کا سہارا لیا جاتا ہے خواہ اس سے خود اپنا ہی دامن پاک کیوں نہ ہوتا ہو یہی حالت ہمارے مہربان مولانا کی ہے کہ جب انہوں نے دیکھا کہ حدیث کے الفاظ ائمہ لغت اور محدثین کی تصریحات اپنے مدعا کے خلاف ہیں تو غیر واضح روایات سے بات نکالنے کی کوشش کی ۔ حالانکہ اصحاب فکر و نظر جانتے ہیں کہ جب ایک بات کو صحیح باور کرانا ہو تو اس کے لئے دلائل بہرحال مہیا کئے جا سکتے ہیں اور آج فرق باطلہ جو اپنے ادعا پر قرآن و سنت سے دلائل کے انبار لگاتے نظر آتے ہیں ، وہ دراصل اسی فکر ناہموار کی کرشمہ سازی ہے ۔

اب آئیے ذرا اس استدلال کی طرف کہ :

"جب اچھی طرح وضو نہ کرنے سے آپ کو التباس ہو جاتا تھا تو آہستہ پڑھنے سے آپ کا متاثر ہونا بعید کیوں ہے ؟"

حالانکہ بات صرف اتنی ہے کہ نقصان وضو چونکہ مستوجب گناہ ہے ، اس لئے اس گناہ سے آپؐ کی طبیعت متاثر ہوئی تھی اور یہ کچھ نماز کی حالت میں خاص نہیں ، نماز کے علاوہ بھی آپ کی طبیعت گناہ سے متاثر ہوتی تھی ۔ پھر یہ کیفیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص نہیں بلکہ اولیا اکرام کی طبیعتیں بھی دوسروں کے گناہ و عادات بد سے متاثر ہوتی ہیں ۔ مثلاً حضرت عثمانؓ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ کی مجلس میں ایک آدمی آیا جس نے راستہ میں ایک عورت کو نظر بد سے دیکھا تھا تو آپؓ نے فرمایا ، بعض میرے پاس آتے ہیں ، حالانکہ ان کی آنکھوں میں زنا کے اثرات ہوتے ہیں تو کسی نے کہا ، سلسلہ وحی ختم ہو جانے کے بعد کیا یہ آپ پر وحی نازل ہوئی ہے ، تو آپ نے فرمایا ، نہیں یہ فراست ہے ۔

علامہ تاج الدین السبکی نے الطبقات الشافعیہ ص ۶۷ ، ج ۲ میں یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد اس پر بہترین تبصرہ بھی کیا ہے ۔ جس سے ہمارے دعوٰی کی حرف بحرف تائید ہوتی ہے ۔ جسکا ذکر یقیناً طوالت کا موجب ہوگا ۔ اس لئے اس کا ذکر نہ کرنا ہی مناسب خیال کرتے ہیں ۔

علامہ علی القاری اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"فتامل ایھا الناظر اذا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتأثر من مثل تلک الھیئۃ فکیف بالغیر من صحبۃ اھل البدعۃ اعاذنا اللہ ورزقنا صحبۃ الصالحین ۔ (المرقاۃ ص ۳۳۰ ج ۱)

اسی طرح علامہ طیبی فرماتے ہیں :

ثم تامل ان مثلہ صلی اللہ علیہ وسلم مع جلالۃ قدرہ وغایۃ کمالہ اذا کان یتأثر من مثل تلک الھیئۃ فکیف بغیرہ من صحبۃ اھل الاھواء والبدع وصحبۃ الصالحین بعکسہ" انتھی (مرعاۃ المفاتیح ص ۳۴۸ ج ۱ ھندی)

یعنی غور کا مقام ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسی جلیل القدر شخصیت ان حالات میں متاثر ہوتی ہے تو پھر آپؐ کے علاوہ دوسرے لوگوں کا کیا حال ہوگا جو مبتدعین کی مجالس اختیار کرتے ہیں ۔ اس کے برعکس نیک لوگوں کی صحبت کا اثر ہوگا ۔

لہٰذا وضو کے ناقص ہونے کی صورت میں اس کا اثر آپ کی لطیف طبع مبارک پر ہونا بالکل صحیح ہے جبکہ ایسی حالت میں نماز پڑھنا مستوجب گناہ و معاصی ہے ۔لیکن آہستہ پڑھنے کا احساس تو تبھی ہوتا جب آہستہ پڑھنا گناہ ہو ۔ آپؐ نے یہاں علت منازعت فرمائی ہے جو بہر حال بلند آواز سے پیدا ہوتی ہے ۔ اور اگر آہستہ پڑھنا گناہ ہے تو مولانا صاحب ان صحابہ کرام کے متعلق کیا فتویٰ صادر فرمائیں گے جو فاتحہ خلف الامام پڑھنے کا فتویٰ دیا کرتے تھے ۔ پھر یہ قرأت سورۂ فاتحہ سے خاص کیوں ہے؟ ثنا وغیرہ اس میں کیوں شامل نہیں؟

_____ اسی ضمن میں یہ بھی بتلایا جائے کہ قرنِ اول سے لے کر آج تک امام کے پیچھے آہستہ فاتحہ پڑھنے پر کس نے منازعت کا شکوہ کیا؟

غور و تدبر کا مقام ہے کہ آپ کے پیچھے صحابہ کرام نے بآواز بلند پڑھا تو آپؐ نے انہیں منع فرمایا ، وضو میں کمی زیادتی ہوئی تو بھی اس پر تنبیہ فرمائی ، رکوع و سجود میں کوتاہی ہو جاتی تو بھی اس پر سرزنش فرماتے لیکن کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ وہ آپ کے پیچھے آہستہ قرأت کرتے لیکن آپ وہاں نہ منازعت بتلاتے ہیں اور نہ اس پر تنبیہ فرماتے ہیں ۔ آخر اس خاموشی کا سبب ؟

تو اصل یہ ہے کہ آہستہ قرأت نہ التباس کا سبب ہے اور نہ موجب گناہ، ورنہ ثناء کا پڑھنا بھی منع قرار دینا ہوگا۔ حالانکہ علمائے احناف اس کے پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں ــــــ!

ہماری ان گذارشات کے بعد فیصلہ ناظرین کرام کے ہاتھ ہے کہ لغت عرب ائمہ عربیہ بلکہ علمائے احناف کی تصریحات کے خلاف ان روایات سے استدلال کہاں تک درست ہے اور مولانا صفدر صاحب آہستہ پڑھنے سے منازعت ثابت کرنے میں کہاں تک حق بجانب ہیں؟

(باقی آئندہ ان شاء اللہ)

اپیل

ٹاؤن شپ سکیم کوٹ لکھپت لاہور میں تقریباً پچاس ساٹھ ہزار کے قریب لوگ آباد ہو چکے ہیں۔ جن میں تقریباً ڈیڑھ سو گھر اہلحدیث حضرات کے بھی آباد ہیں لیکن اس مسلک کے لوگوں کی اپنی کوئی مسجد اس علاقہ میں اب تک موجود نہ تھی جبکہ یہاں بسنے والے دوسرے تمام مکاتیب فکر کے لوگوں کی مسجدیں تعمیر ہو چکی ہیں۔ اس صورتِ حال کے پیش نظر چند افرادِ جماعت نے مسجد کے لئے بڑی کوششوں کے بعد دس مرلے کا پلاٹ الاٹ کروالیا ہے اور مسجد کی تعمیر شروع کر دی ہے۔ لیکن چونکہ افرادِ جماعت قلیل ہونے کے ساتھ ساتھ غریب بھی ہیں اور مہنگائی کا زمانہ ہے اس لئے اصحابِ استطاعت سے درخواست ہے کہ اس نیک کام میں نقدی یا اینٹیں، سیمنٹ، بجری اور سریا وغیرہ کی صورت میں ہماری اعانت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

المعلن: محمد حسین ناظم اعلیٰ جماعت معرفت حبیب جیولرز المدینہ چوک ٹاؤن شپ سکیم۔ لاہور